ڈاکٹر صابر آفاقی

سچل سرمستؒ کی فارسی غزل

سچل سرمست کا اصل نام حافظ عبدالوہاب تھا۔ آپ ۱۷۴۰ء میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات ۱۸۲۷ء میں واقع ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا خاندان حجاز سے عراق اور پھر عراق سے سندھ کے علاقے خیر پور میرس میں آ کر مستقل طور پر رہائش پذیر ہوا۔ آپ قادری سلسلہ کے مشہور صوفی بزرگ ہوگزرے ہیں۔ عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ آپ فارسی، سندھی، اُردو اور سرائیکی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے اور ''آشکار'' تخلص کرتے تھے۔ فارسی کلام کا مجموعہ ''دیوان آشکار'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ دیوان آشکار میں غزلیات ہیں اس کے علاوہ سات مثنویاں بھی ہیں جن کے نام اس طرح ہیں۔ مثنوی راز نامہ، مثنوی رہبر نامہ، مثنوی گداز نامہ، مثنوی تار نامہ، مثنوی وصلت نامہ، مثنوی عشق نامہ، مثنوی درد نامہ۔

حضرت سچل سرمست کی سوانح، کلام اور افکار پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بہت کچھ لکھا جائے گا۔ میں سر دست آپ کی فارسی غزل پر ایک نظر ڈالتا ہوں اور آپ کو صوفیانہ وفلسفیانہ افکار و نظریات کی ایک جھلک دکھانا چاہتا ہوں۔

وحدت وجود:

وحدت وجود کا نظریہ یونانِ قدیم میں مروج رہا۔ پھر یہ نظریہ مشرق وسطی ایران اور ہند و پاکستان میں پہنچا۔ اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ وجود کائنات میں جو ممکن الوجود ہے اور خالق کائنات میں جسے واجب الوجود کہا جاتا ہے، ایک وحدت اور یگانگت پائی جاتی ہے۔ اس

نظریہ کے بڑے مبلغ ابن عربی ہو گزرے ہیں۔ یہ نظریہ عبد کو معبود (اور بالعکس) بنا دیتا ہے اس لیے اس کے حامی، عبادات کی اہمیت کے قائل نہ تھے، چنانچہ ردِعمل کے طور پر وحدت شہود کا دوسرا نظریہ پیش کیا گیا۔ ان دونوں نظریات نے خاصی رونق پیدا کی اور شاعری کا موضوع بنے۔

وحدت وجود میں ملتیں مٹ کر اجزائے ایماں ہو جاتی ہیں اور مذاہب اپنے اندر ہم آہنگی پیدا کر لیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اس نظریے کی اہمیت اگر ماضی میں کچھ زیادہ نہ بھی ہو تب بھی اس دہشت گرد ماحول میں اس کی اہمیت مسلم ہو جاتی ہے۔

حضرت سچل سرمست بھی عرب وعجم کے دیگر صوفیاء کی طرح اس نظریے کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

جلوۂ حسنش چو بینی دیدۂ عبرت کشا
تابہر مظہر شناسی بادشاہِ کبریا

ترجمہ: تم جلوۂ حق کا مشاہدہ کرو اور دیدۂ عبرت وا کرو
تا کہ ہر شے میں ذات کبریا کو دیکھ سکو۔

ایک اور شعر میں کہتے ہیں:

کجا یم من کجا یم من کجا یم
توئی موجود در عالم ہویدا

ترجمہ: میں کہاں ہوں؟ تو ہی تو عالم موجود و ہویدا ہے

ایک شعر اس طرح ہے:

ایں ہمہ جلوہ گاہ آن یاراست
ہر چہ بینی جمال دلدار است

ترجمہ: یہ کائنات تو ساری کی ساری اسی معبود حقیقی کی جلوہ گاہ ہے
تم جو کچھ دیکھتے ہو وہ محبوب کا جمال ہے۔

اب یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

او بصد شکل ہر زمان آید
جلوہ اش آشکار می باشد

ترجمہ: خدا سیکڑوں پیکروں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا جلوہ تو ظاہر و آشکار ہے۔

فرماتے ہیں:

یار را ہر کجا کہ می بینم
زین سبب نزد خلق بی دینم

ترجمہ: میں تو یار حقیقی کو ہر جگہ دیکھتا ہوں اسی لیے خلق میں بے دین مشہور ہوں۔

وحدت وجود کے بعد جس بڑے موضوع پر سچل سرمست نے قلم اٹھایا ہے وہ "عشق" ہے۔ اب اس موضوع پر حضرت سچل سرمست کے چند اشعار دیکھیے۔

ازعشق نار افروختم جز درد جملہ سوختم
دیگر سبق ناموختم پرسی چہ از ما قاضیا!

ترجمہ: میں نے عشق کی آگ جلا لی ہے درد کے بغیر سب کچھ بھسم کر ڈالا ہے میں نے تو دوسرا کوئی سبق پڑھا ہی نہیں۔ اے قاضی! اب تم ہم سے کیا سوال کرو گے۔

اے دلا جز عشق و مستی کار دیگر ہیچ نیست
چشم بکشا بنگری جز یار دیگر ہیچ نیست

ترجمہ: اے میرے دل، عشق و مستی کے سوا دوسرا کوئی کام اہمیت نہیں رکھتا،
آنکھ کھول اور دیکھ کہ معبود حقیقی کے بغیر کچھ بھی نہیں۔

عشق چون اندر دلے پیدا شود
جسم و جان او ہمہ معنی شود

ترجمہ: جب کسی دل میں عشق پیدا ہو جائے تو اس کا جسم اور جان دونوں سراسر معنی ہو جاتا ہے۔

غمزۂ عشقش ببین چہ کارکرد
خواجۂ منصور را بر دار کرد

ترجمہ: محبوب کے عشق کا غمزہ جانتے ہو کیا کام کرتا ہے؟ خواجۂ منصور کو صلیب پر چڑھا دیتا ہے۔

سچل سرمست کے یہ اشعار بھی دیکھیے جن میں عشق کا مضمون کمال خوبی سے باندھا گیا ہے:

زورق عقل غرق دریا شد
چونکہ سلطان عشق ہائے نہاد

ترجمہ: جب سلطان عشق وارد ہوتا ہے تو عقل کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔

رمز الانسان سری گوش کن
بالیقین دان صورت انسان عشق

ترجمہ: یہ جو آیا ہے کہ انسان میرا راز ہے۔ سو اس کی رمز سمجھو اور یقین کرو کہ عشق نے انسان کی شکل اختیار کر لی ہے۔

اے بجز عشق برہمہ جہل است
گرچہ صد لک کتاب میخوانی

ترجمہ: عشق کے بغیر تو سراپا جہالت ہے۔ اگرچہ لاکھوں کتابیں پڑھ ڈالی ہوں۔

ایک اور موضوع جسے حضرت سچل نے موضوع سخن بنایا ہے وہ خودی کا موضوع ہے۔ عرفان ذات کے بارے میں صوفیا اور فلاسفہ نے طرح طرح کے خیالات بڑے دل کش پیرائے میں بیان کیے ہیں۔ خود شناسی دراصل خدا شناسی کا ذریعہ ہے۔ سندھ کے عظیم صوفی شاعر اور عالم

حضرت سچل سرمست نے عرفان ذات کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

آنکس کی شناخت خویشتن را
دانی کہ بیافت ذوالمنن را

ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے خدائے ذوالمنن کو پالیا۔

ایک اور غزل کا یہ شعر ملاحظہ کریں۔

اے دلا ہرگز مشو تو بی خبر خود راشناس
بگزری زین غافلی ہم سربسر خود راشناس

ترجمہ: اے دل، ہرگز بے خبر نہ ہونا بلکہ خود کو پہچان لینا غفلت چھوڑ کر پوری طرح سے اپنے کو پہچان لے۔

جناب سچل سرمست نے خود شناسی کے حوالے سے ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے جو فارسی کی صوفیانہ شاعری میں شاید ہی کہیں ملے۔ یہ نفسیات کا مسئلہ ہے کہ آدمی اپنے کو جو کچھ سمجھتا ہے وہ ویسا ہی ہو جاتا ہے چنانچہ سچل سرمست فرماتے ہیں کہ اگر تم خود کو خدا سمجھو گے تو اپنے اندر خدا کی بے نیازی کے اوصاف پیدا کر لو گے۔ لیکن اگر خود کو گدا جانو گے تو ذہنی طور پر گدا ہی رہو گے۔

اگر خود را خدا دانی خدائی
وگر خود را گدا دانی گدائی

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ علم اور چیز ہے اور عشق اور چیز۔ علم کبر و غرور، سرد مہری سکھاتا ہے لیکن عشق آدمی میں محبت، شفقت اور گداز پیدا کرتا ہے شاید یہی وجہ ہے کہ فارسی اور اردو کی شاعری میں واعظ اور عاشق کو ایک دوسرے کی ضد مانا گیا ہے۔ عاشق کی تعریف کی گئی ہے اور زاہد کو برا بھلا کہا گیا ہے۔ عشق میں درد اور نرم مزاجی کو اہمیت دی جاتی رہی ہے۔ ایک شاعر کا کہنا ہے۔

عاشقے را اے برادر درد باید درد کو؟
برسر کوئی محبت مرد باید مرد کو؟

ترجمہ: اے بھائی، عاشق کے لیے درد کی ضرورت ہے مگر اب درد کہاں ہے کوچہ محبت میں مرد درکار ہے لیکن آج وہ مرد کہاں ہے

سچل سرمست کا نظریہ یہی ہے کہ مرد وہی ہے جس کے دل میں درد ہو۔

درد در دل ہر کہ باشد مرد اوست
حرف بیدرد ان موثر نیست، نیست

ترجمہ: جس کسی کے دل میں درد ہو مرد وہی ہے۔ کیونکہ بے درد لوگوں کی بات میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔

حضرت سچل سرمست کا فارسی کلام عشق، وحدت الوجود، خودی اور درد وغیرہ جیسے مضامین کا ایک نگار خانہ ہے۔ اسی لیے آپ کی شاعری زندہ رہی اور زندہ رہے گی۔ آپ اپنی شاعری کے بارے میں فرماتے ہیں۔

من آن شہباز از دست شہباز
کہ پروازے نمودم از زمانہ

ترجمہ: میں بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھا ہوا وہ شہباز ہوں جس نے زمانے سے پرواز کرلی ہے اور ماورائے زمان ہوگیا۔

☆☆☆